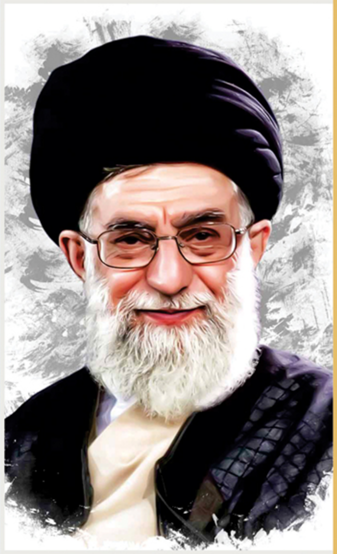

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

فرمانِ رہبرِ کبیر امام خمینیؒ

" جب ہم کہتے ہیں کہ وہ ولایت جو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا دوسرے آئمہ (ع) کے پاس تھی وہ غیبت کے دور میں فقیہ عادل کے پاس ہے اور اس سلسلے میں کسی کو اس وہم اور شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ فقہاء کی ذمہ داری بھی وہی ہے جو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا آئمہ معصومین (علیہم السلام) کی تھی کیونکہ یہاں پر بحث مقام و منزلت سے نہیں ہے بلکہ بحث ذمہ داری اور وظائف سے متعلق ہے ولایت یعنی حکومت، ملک کے نظم و نسق کو چلانا، شریعت کے قوانین کا اجراء کرنا جو ایک سنگین اور اہم ذمہ داری ہے۔ "

فرمانِ رہبر انقلاب امام خامنہ ای (دامت برکاتہ)

" ولایت یعنی پارسا انسانوں کی حکومت، ایسے انسانوں کی حکمرانی جو خواہشات اور شہوات نفسانی کے مخالف ہوتے ہیں، جو نیکیاں انجام دیتے ہیں۔ اسلام میں ولایت سے مراد یہ چیز ہے۔ کون سا ملک اور کون سی قوم ہے جو اس کی خواہاں نہ ہوگی۔ "

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولایت فقیہ

المہدیؑ ادارہ تربیت اسلامی، آئی ایس او پاکستان

فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
1	معاشرے کے لئے قانون وحکومت کی ضرورت	5
2	حکومت اسلامی کے اہداف	7
3	حاکمیت (ولایت) خداوند متعال	13
4	رسول اکرمؐ کی ولایت	20
5	آئمہ معصومینؑ کی ولایت	21
6	ولایت فقیہ	24
7	ولی فقیہ کی شرائط	29
8	ولایت فقیہ اور مرجعیت	33
9	ولایت فقیہ مطلقہ	34
10	ولایت فقیہ کو کیسے پہچانیں؟	38

مقدمہ

برخلاف دین عیسائیت کے کہ جو چند عقائد اور اخلاقی اصولوں تک محدود ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ خداوند متعال کی طرف سے نازل شدہ یہ دین خاتم، زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے حقیقی انسانی کمال کی شاہراہ پر چلاتا ہے۔ اسلام کی حیات بخش تعلیمات پر عمل کرنے والا انسان خدا کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر ہونے کے بلند ترین مقام تک پرواز کرسکتا ہے۔ لھذا یہ دین انفرادی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اجتماعی اور معاشرتی تعلیمات کا بھی حامل ہے۔ اسلام انسان کی آخرت سنوارنے کے ساتھ ساتھ اسے دنیوی زندگی میں بھی سعادتمند بناتا ہے بلکہ اسلامی تصور کائنات کے مطابق دنیوی اور اخروی زندگی ایک دوسرے سے جدائی ناپذیر ہیں۔ دنیوی زندگی اخروی زندگی کا مقدمہ اور اس کی کھیتی ہے۔

الدُّنیا مَزرَعَةُ الآخِرَةِ

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

اس دنیا میں انسان کی طرف سے انجام دیا گیا ہر اختیاری فعل چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس کی اخروی سعادت یا بدبختی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ پس اسلام نے عقائد اور انفرادی اخلاقیات کے ہمراہ اپنے خاص تصور کائنات اور آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر استوار مخصوص معاشرتی نظامات متعارف کرائے ہیں جیسے سیاسی نظام، معاشی نظام، ثقافتی نظام، عسکری نظام وغیرہ۔ انسان کی اجتماعی زندگی کے ان نظاموں میں سے سیاسی نظام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی معاشرہ کے سیاسی نظام کی اصلاح کیے بغیر اس میں موجود دیگر نظاموں جیسے معاشی نظام وثقافتی نظام وغیرہ کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔

دوسری طرف چونکہ اسلام کے سیاسی نظام کا مرکزی ستون آئمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت ہے لھذا مکتب اہلبیتؑ میں ولایت کو دین کی روح قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ولایت کے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی۔

امام باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ عَلَى الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصَّوْمِ وَ الْحَجِّ وَ الْوَلَايَةِ وَلَمْ يُنَادَ بِشَيْءٍ كَمَا نُودِيَ بِالْوَلَايَةِ فَأَخَذَ النَّاسُ بِأَرْبَعٍ وَ تَرَكُوا هَذِهِ يَعْنِي

الْوَلَایۃ ۔[الکافی ج۲ص۱۸]

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے نماز، زکات، روزہ، حج اور ولایت اور جتنا ولایت کی طرف اسلام نے پکارااور تاکید کی ہے کسی اور کی طرف اتنی تاکید نہیں کی (لیکن) لوگوں نے باقی چار کو اپنالیا ہے لیکن ولایت کو ترک کر دیا ہے۔

نیزاسی وجہ سے امام خمینیؒ نے فرمایا:" سیاست ما عین دیانت ماست" یعنی ہماری سیاست عین ہمارا دین ہے اور ان میں کسی قسم کی جدائی نہیں پائی جاتی۔

عصر غیبت امام زمانہؑ میں اسلام کا سیاسی نظام ولایت فقیہ کی صورت میں تجلی گر ہے۔اس کتابچہ میں ولایت فقیہ کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کے بنیادی خدوخال اور اہم مبادی کو واضح کیا گیا ہے۔اس موضوع سے مربوط جن مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

☆ معاشرہ کیلئے قانون اور حکومت کی ضرورت
☆ خداوند متعال کی حاکمیت اور ولایت
☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت
☆ آئمہ طاہرینؑ کی ولایت
☆ ولایت فقیہ کا بنیادی مفہوم
☆ ولایت فقیہ کا اثبات
☆ ولی فقیہ کی شرائط
☆ ولایت فقیہ اور مرجعیت
☆ ولایت مطلقہ فقیہ یا ولی فقیہ کے اختیارات کا دائرہ کار
☆ ولی فقیہ کو کیسے پہچانیں؟

امید ہے کہ یہ تالیف قارئین کی مورد پسند قرار پائے گی اور ادارہ جناب مولانا صفدر علی صاحب کی اس تالیف کی زحمات پر ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہے اور خداوند تعالیٰ سے ہماری یہ دعا ہے کہ یہ ادنیٰ سے کوشش امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کرے۔آمین

ادارہ المہدیؑ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

معاشرے کیلئے قانون اور حکومت کی ضرورت:

ایک انسان تنہا اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے انسان گروہی زندگی گزارتے ہیں اور وہ اپنی ضروریات باہمی تعاون سے پوری کرتے ہیں انسانوں کا ایک گروہ مل کر معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ معاشرے میں ہر فرد ایک خاص کردار ادا کر رہا ہوتا ہے جس کے مقابلے میں اسے خاص حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ایک گندم اگاتا ہے، دوسرا جوتا بناتا ہے اور تیسرا تعلیم و تربیت کا فرض ادا کرتا ہے۔ دوسری طرف انسان کی خواہشات لامحدود ہیں اور اس کرہ خاکی پر موجود وسائل محدود۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ ہر چیز اس کی ملکیت ہو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ دوسرے انسان بھی اسی کیلئے کام کریں اور ان کی محنت کا ثمر اسے ملے۔ چونکہ ایسی خواہشات سبھی انسانوں میں پائی جاتی ہیں لہٰذا ان میں باہمی اختلافات اور تنازعات وجود میں آتے ہیں، معاشرے میں امن و امان ناپید ہو جاتا ہے اور حقوق پامال ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معاشرہ جنگل بن جاتا ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کیلئے معاشرے کو ایک ایسے قانون اور آئین کی ضرورت ہوتی ہے جو افراد کے فرائض اور حقوق معین کرے تاکہ ہر شخص کو اس کے حقوق مل سکیں اور وہ اپنی ذمہ داری ادا کرسکے۔

ایک معاشرہ کو آئین اور قانون کے علاوہ ایک ایسی قدرت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس قانون کو معاشرہ میں نافذ کرے۔ ایسی قدرت کو حکومت کہتے ہیں۔ قدیم یونان میں بعض لوگ اس بات کے قائل تھے کہ حکومت معاشرہ کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ حکومت اور قدرت معاشرہ کی اخلاقی زندگی کے لئے تباہی کا موجب ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق انسان اخلاقی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے اور اسے حکومت کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ کہتے تھے کہ انسانوں کی ایسی تربیت کرنی چاہیے کہ وہ بذات خود معاشرے میں نظم و امن برقرار رکھیں۔ اور اگر حکومت ہو بھی تو اسے ایسا کردار ادا کرنا چاہیے کہ وہ اخلاقی بنیادوں پر معاشرے میں نظم برقرار کرے یعنی حکومت عوام کو ایسی تعلیم و تربیت دے کہ وہ معاشرہ میں نظم اور امن برقرار رکھنے کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھیں اور انہیں حکومت کی ضرورت نہ رہے۔

یہ نظریہ درست نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو خداوند متعال نے آزاد اور مختار خلق فرمایا ہے اگر ایک انسان کو دنیا کے اعلیٰ ترین تربیتی نظام میں رکھا جائے اور اسے دنیا کا بہترین مربی فراہم کیا جائے تو بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایک تربیت یافتہ اور مہذب انسان بن جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تربیت کا اثر قبول کرنے یا نہ کرنے کا انحصار متربی (تربیت پانے والے) کی مرضی پر ہے۔ اگرچہ تربیت اچھا بننے میں معاون ہوتی ہے لیکن اس سے انسان کا اختیار سلب نہیں ہوتا۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (انسان:۳)

ترجمہ: ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکرگزار بنے اور خواہ ناشکرا۔

انسانی تاریخ بھی اس نظریہ کے باطل ہونے پر گواہ ہے۔ تاریخ انسانی کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ ہمیشہ انسانی معاشروں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اخلاقی قوانین کے پابند نہیں ہوتے اور اگر کوئی ایسی قدرت اور طاقت نہ ہو جو انہیں کنٹرول کرے تو پورے معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ امام علیؑ کا ارشاد ہے۔

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِن أَمِيرٍ بَرٍّ أَو فَاجِرٍ۔ (نهج البلاغه، خطبه 40)

ترجمہ: لوگوں کو ایک حاکم کی ضرورت ہوتی ہے نیک ہو یا بد۔

یعنی ظالم اور فاسق حکمران کی حکومت بھی معاشرے کیلئے حکومت کے نہ ہونے اور جنگل کے قانون سے بہتر ہوتی ہے۔

حکومت اسلامی کے اہداف

انسان اور دوسری مخلوقات میں ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسری مخلوقات اس دنیا میں بن کر آتی ہیں جبکہ انسان اس دنیا میں بننے کیلئے آتا ہے۔ دوسری مخلوقات خدا ساختہ ہیں اور انسان خود ساختہ۔ فرشتوں کو فرشتہ، گھوڑے کو گھوڑا، مٹی کو مٹی اور سونے کو سونا خدا کی ذات نے بنایا ہے اور ان مخلوقات نے اس عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ اگرچہ انسان کو بھی

ظاہری (جسمانی) لحاظ سے اللہ تعالی نے بنا کر بھیجا ہے۔لیکن باطنی (روحانی صفات) لحاظ سے وہ انسان بن کرنہیں آیابلکہ اسے انسان بننے کی صلاحیت اور استعداد سے نوازا گیا ہے۔اور اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے باطن کو انسانی شکل وصورت عطا کرے۔خود کو باطنی لحاظ سے مقام انسانیت تک پہنچانا ہی انسان کی زندگی کا ہدف اور مقصد ہے۔جو انسان ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ دنیا اور آخرت میں سعادتمند بن جاتا ہے۔البتہ سعادتمندی کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔سعادت کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ انسان دنیوی آگ سے ستر گنا گرم جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلنے سے بچ جائے۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِين۔ (انعام/16)

ترجمہ: جس شخص سے اس روز یہ (عذاب) ٹال دیا گیااس پر اللہ نے رحم کیااور یہی نمایاں کامیابی ہے۔

سعادت کا دوسرا مرتبہ جنت میں داخل ہونا ہے جہاں انسان کی ہرخواہش پوری کی جائے گی۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنينَ وَ الْمُؤْمِناتِ جَنَّاتٍ تَجْري مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهارُ خالِدينَ فيها وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئاتِهِمْ وَ كانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزاً عَظيماً ۔(فتح/5)

ترجمہ: تاکہ مومنین اور مومنات کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دے۔اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔

(هُمْ في مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خالِدُونَ۔ (انبیاء:۱۰۲)

ترجمہ: اور وہ ہمیشہ ان چیزوں میں رہیں گے جوان کی خواہشات کے مطابق ہوں گی۔

اس سے بلند تر مرتبہ یہ ہے کہ انسان خود کو الٰہی اخلاق سے آراستہ کرے۔ایسے شخص کو ہی خداوند کا خلیفہ اور جانشین ہونے کا افتخار حاصل ہے۔

وَ إِذْ قالَ رَبُّكَ لِلْمَلائِكَةِ إِنِّي جاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَليفَةً۔(البقرہ/30)

ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں

جو شخص خدا کا جانشین بن جائے وہ خدا کی صفات جیسے علم و قدرت وغیرہ کا مظہر بن جاتا ہے اور وہ خدا کے اذن سے خدائی کام انجام دے سکتا ہے۔

قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ ۔ (البقرہ/33)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم ان فرشتوں کو ان کے نام بتلا دو۔

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۔ (مائدہ/110)

ترجمہ: اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے صحت یاب کرتے تھے اور تم میرے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

دوسری طرف انسان انسانوں سے وجود میں آتا ہے اور انسانی معاشرے میں زندگی گزارتا ہے۔ انسان معاشرے پر اثر ڈالتا ہے اور معاشرے سے اثر قبول کرتا ہے۔ وہ اگرچہ الٰہی فطرت اور قوت تفکر کا حامل ہے لیکن اس کے سوچنے کا انداز، اسکی عادات و اطوار اور اس کی روحانی صفات عام طور پر اس معاشرے میں بسنے والے دیگر افراد کی طرح ہوتی ہیں۔ اچھے ماحول میں پروان چڑھنے والے افراد کی اکثریت اچھی ہوتی ہے اور برے ماحول میں پرورش پانے والے اکثر لوگ برے ہوتے ہیں۔ اجتماعی نفسیات (social psychology) کے ماہر ایریک فروم (Erich Fromm) کے بقول: معاشرے کی ماہیت کی شناخت اس میں پروان چڑھنے والے افراد کی بدلتی شخصیت کی پہچان کی چابی ہے۔ جیسی ثقافت ہو گی افراد بھی ویسے ہی ہوں گے۔ افراد کی شخصیت کی بیماری اور تندرستی کا انحصار ثقافت پر ہے۔ ثقافت ہی انسان کے پروان چڑھنے اور کمال تک پہنچنے کیلئے معاون یا رکاوٹ بنتی ہے۔ نفسیاتی سلامتی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ معاشرہ اپنے افراد کی بنیادی ضروریات کس حد تک پورا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ نفسیاتی تندرستی ایک شخصی مسئلہ ہونے سے بڑھ کر ایک اجتماعی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ بیمار معاشرہ اپنے افراد میں دشمنی، بدگمانی اور بے اعتمادی بوتا ہے اور کمال کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ تندرست معاشرہ اپنے افراد کو یہ امکان فراہم کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے

محبت کریں، پروان چڑھیں اور خلاق (creative) بنیں اور اپنی عقلی وفکری صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں۔

لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ نوع انسانی کے زیادہ سے زیادہ افراد سعادت اور کمال کی راہ پر گامزن ہو کر خود کو حقیقی انسان بنائیں تو ہمیں ایسا پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا پڑے گا جو اس میں بسنے والے افراد کو راہ سعادت کی طرف رہنمائی کرے اور انہیں اس راہ پر تیزی کے ساتھ منازل طے کرنے میں معاون ہو۔ایسے انسان ساز معاشرے کی تشکیل ہی دراصل حکومت اسلامی کے قیام کا ہدف ہے حکومت اسلامی کی اہم ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

ا) خداوندی بندگی اور اسلامی اقدار کے لئے زمینہ سازی:

قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبودیت کو انسانوں اور جنوں کی خلقت کا مقصد قرار دیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (ذاریات: 56)

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں خلق کیا مگر اپنی عبادت کیلئے۔

اسلامی نقطہ نگاہ کے مطابق عبودیت اور بندگی نماز، روزہ اور اسی طرح کی چند دوسری عبادات تک محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ہر فعل کو چاہے اس کا تعلق شخصی زندگی سے ہو یا سیاسی اور معاشرتی زندگی سے ہو، خداوندی رضا اور مرضی کے مطابق انجام دے۔اس کے ہر فعل سے یہ بات جھلک رہی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، نہ کہ اپنی نفسانی خواہشات کا غلام۔قرآن پاک نے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے شخص کے لئے نفسانی خواہشات کو اس کا معبود قرار دیا ہے۔

"أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَىٰهُ" (فرقان/43)

ترجمہ: کیا آپ نے اس (شخص) کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟

اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ مسلمان معاشرہ میں ایسا ماحول فراہم کرے جس سے لوگ زیادہ سے زیادہ خداوندی عبادت کی طرف راغب ہوں اور اسلامی اقدار معاشرہ میں رائج ہوں۔

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ " (الحج/41)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

" اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنِ الَّذِي كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِي سُلْطَانٍ وَ لَا الْتِمَاسَ شَيْءٍ مِنْ فُضُولِ الْحُطَامِ وَ لَكِنْ لِنَرِدَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِينِكَ وَ نُظْهِرَ الْإِصْلَاحَ فِي بِلَادِكَ فَيَأْمَنَ الْمَظْلُومُونَ مِنْ عِبَادِكَ وَ تُقَامَ الْمُعَطَّلَةُ مِنْ حُدُودِكَ"

ترجمہ: خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہم سے (جنگ و پیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا اس لیے نہیں تھا کہ ہمیں تسلط و اقتدار کی خواہش تھی یا مال دنیا کی طلب تھی بلکہ یہ اس لیے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (پھر ان کی جگہ پر) پلٹائیں اور تیرے شہروں میں امن و بہبودی کی صورت پیدا کریں تا کہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی کھٹکا نہ رہے اور تیرے وہ احکام (پھر سے) جاری ہو جائیں جنہیں بیکار بنا دیا گیا ہے۔

۲) تعلیم و تربیت:

تعلیم و تربیت اسلامی معاشرے کی اہم ضرورت ہے شاہراہ کمال پر تیزی سے منازل طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے کے افراد ایک طرف اپنے دینی فرائض اور ذمہ داریوں اور انہیں انجام دینے کے طریقہ کار سے آگاہ ہوں اور دوسری طرف ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ عدالت کے دائرے سے خارج نہ ہوں۔ قرآن پاک نے تعلیم و تربیت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ہدف کے طور پر روشناس کرایا ہے۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ "

ترجمہ: "وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک و پاکیزہ کرتا ہے" (جمعہ/2)

امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

" عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُعَلِّمَ أَهْلَ وَلَايَتِهِ حُدُودَ الْإِسْلَامِ وَ الْإِيمَانِ. "

ترجمہ: امام مسلمین پر فرض ہے کہ وہ اپنی عوام کو اسلام اور ایمان کے معارف کی تعلیم دے۔

۳) معاشرے میں عدل کا قیام:

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر چیز کو اس کا مناسب مقام عطا کیا جائے۔حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کے حقوق مل رہے ہوں۔اسلامی نقطہ نظر سے معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام اتنا اہم ہے کہ اسے بعثت انبیاء کے اہداف میں سے قرار دیا ہے۔

"لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" (حدید/25)

ترجمہ: " بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تا کہ لوگ عدل قائم کریں۔"

معاشرے میں عدل قائم کرنے کے لئے عادلانہ قوانین کی ضرورت ہوتی ہے ان قوانین کی کلیات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن پاک میں نازل فرمائی ہیں اور ان کی تفصیلات اور جزئیات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین نے آگاہ فرمایا ہے۔ہر دور کے اسلامی حکمران پر فرض ہے کہ الٰہی احکام کو معاشرے میں نافذ کرتے ہوئے عدل قائم کرے۔

۴) اسلامی معاشرے کے مفادات اور سرحدوں کی حفاظت:

حکومت اسلامی کی ایک اہم ذمہ داری اسلامی معاشرے کا دفاع ہے۔خداوند نے اسلامی مملکت کی سرحدوں اور اسی طرح سے مسلمانوں کے جان، مال، ناموس اور مفادات کے دفاع کو واجب قرار دیا ہے:

"كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ" (البقرة/216)

ترجمہ: تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ" (الانفال/65)

ترجمہ: اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دیں۔

حدیث میں جہاد نہ کرنے والے کو ایک سطح کا منافق کہا گیا ہے:

"مَن ماتَ ولَم يَغزُ، ولَم يُحَدِّث بِهِ نَفسَهُ، ماتَ علی شُعبَةٍ مِن نِفاقٍ"

ترجمہ: جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس نے جہاد نہ کیا ہو یا کم از کم جہاد کرنے کی خواہش اس کے دل میں نہ ہو وہ منافقت کے ایک درجے پر مرتا ہے۔

اگر چہ جہاد ہر ایک مسلمان پر فرض ہے لیکن یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی معاشرے کی توانائیوں کو یکجا کرتے ہوئے جامع منصوبہ بندی بنا کر اسلامی مملکت کو بیرونی خطرات کے مقابلے میں ایک محکم چٹان کی حیثیت عطا کرے۔

فالولایة هی حفظ العثور و تدبیر الامور

ولایت سرحدوں کی حفاظت اور امور کی تدبیر کرنے سے عبارت ہے۔

حاکمیت (ولایت) خداوند متعال:

ایک معاشرہ کے لئے قانون اور حکومت کی ضرورت اور اہمیت واضح ہو جانے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قانون سازی اور حکومت کرنے کا حق بنیادی طور پر کسے حاصل ہے اور اس حق کا ماخذ اور سرچشمہ کیا ہے؟ دوسرے الفاظ میں اقتدار کا بالذات مالک کون ہے؟

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے اس نے تمام اشیا کو عدم سے خلق کیا ہے۔

اللّٰہُ خَالِقُ کلُ شیَء۔(الزمر/62)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡانسانَ فِیۡ أَحۡسَنِ تَقۡوِیمِ (التین/4)

ترجمہ: بتحقیق ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا

نیز خداوند متعال ہی ہر چیز کا مالک ہے۔

لَہُ ما فِی السَّماواتِ وَ ما فِی الۡأَرۡض۔(البقرہ/225)

ترجمہ: اسی کیلئے ہے جو کچھ زمین وآسمان میں ہے۔

إِنَّا لِلَّہِ وَ إِنَّا إِلَیۡہِ راجِعُون۔(البقرہ:156)

ترجمہ: ہم تو اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

لہٰذا اسلامی تصور کائنات کے مطابق کائنات میں موجود تمام مخلوقات من جملہ نوع بشر کو خداوند متعال کا بندہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

"إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ إِلَّا ءَاتِي الرَّحْمَانِ عَبْدًا" (مریم/93)

ترجمہ: جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس رحمن کے حضور صرف بندے کی حیثیت سے پیش ہوگا۔

اگر تمام انسانوں کو خداوند کا بطور مطلق بندہ مان لیا جائے تو عقل قطعی طور پر حکم لگاتی ہے کہ انسانوں کے تمام حقوق کا سرچشمہ اور مآخذ خداوند متعال کی ذات ہے لہٰذا تمام حقوق جو انسان ایک دوسرے پر رکھتے ہیں ان سب کی بنیاد اور اساس وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر حاصل ہے۔ باقی تم حقوق، اسی حق سے وجود میں آتے ہیں

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی چیز یا کسی دوسرے شخص پر حق حاصل ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اس شخص کو، اس چیز یا شخص پر ایک طرح کی مالکیت حاصل ہے۔ عقل جس بات کو قبول کرتی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ فقط مالک اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مالک ہو اور نہ ہی مالک کی طرف سے

اجازت یا اذن رکھتا ہو تو عقل اس کے لئے کسی بھی قسم کے حق تصرف کی قائل نہیں ۔ یہ عقل کے بدیہی اور قطعی احکام میں سے ہے ۔

دوسری طرف اسلامی تعلیمات کے مطابق خداوند متعال پوری کائنات کا خالق ہے اور تمام موجودات کو اس نے فیض وجود عطا کیا ہے ۔صرف وہی ایسا موجود ہے جو مستقل ہے اور اس نے فیض وجود کسی اور سے حاصل نہیں کیا۔ان دو مقدمات (مالک کو اپنی ملکیت میں حق تصرف حاصل ہونے اور خداوند کے تمام کائنات کا خالق ہونے) سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کائنات میں مالکیت صرف خداوند متعال کو حاصل ہے چونکہ اسی نے ہر چیز کو وجود عطا کیا ہے لہٰذا تمام موجودات کا حقیقی مالک وہی ہے ۔نتیجہ کے طور پر اسے تمام موجودات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے ۔دوسری طرف چونکہ کوئی بھی موجود خداوند یا دوسرے موجودات کا ذاتی طور پر مالک نہیں ہے لہٰذا اسے خداوند یا دوسرے موجودات پر ذاتی طور پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہے ۔کسی مخلوق کو دوسری مخلوقات پر فقط ایک صورت میں کوئی حق حاصل ہوسکتا ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ کائنات کا مالک یعنی خداوند اسے یہ حق عطا کرے ۔تمام کائنات من جملہ انسان اسی کے ارادہ سے وجود میں آئے ہیں اور اسی کے ارادہ سے باقی ہیں ۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۔ (یس/82)

ترجمہ: جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے تو بس اس کا امر ہوتا ہے "ہوجا" پس وہ ہوجاتی ہے ۔
ہر موجود کی بقاء کا انحصار خداوند کے ارادہ پر ہے اگر وہ بقاء کا ارادہ کرے تو باقی رہے گی ورنہ صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی ۔اگر انسان اور باقی تمام مخلوقات کی موجودیت اور بقا کا انحصار خداوند کی ذات پر ہے تو تمام حقوق بھی ذاتی طور پر اسی بابرکت ذات کو حاصل ہیں ۔

اگر تمام حقوق کا بالذات مالک اللہ تعالی ہے تو اسی کو انسانی فرد اور معاشرہ کیلئے قانون بنانے کا حق حاصل ہے اور حکمرانی کے حق کا مالک بھی وہی ہے ۔خداوند کے اذن اور اجازت کے بغیر انسانی معاشرے پر حکومت کرنا اور اس کیلئے قانون سازی کرنا جائز نہیں اور ایسا کرنے والا شخص قرآن مجید کی نظر میں طاغوت ہے ۔

خداوند نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ۔ (شوریٰ:۹)

یعنی فقط خداوند تمام انسانوں اور انسانی معاشرہ کا حقیقی ولی اور سرپرست ہے اور فقط اسے ہی حق حاکمیت حاصل ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ۔ (یوسف/40)

ترجمہ: اقتدار تو صرف اللہ کے پاس ہے۔

پس انسانی فرد ہو یا معاشرہ اس پر بالذات ولایت فقط اللہ تعالی کو حاصل ہے۔ اللہ تعالی کی ولایت مطلق ہے یعنی اس میں کسی قسم کی محدودیت نہیں پائی جاتی۔ کسی بھی انسان کو ذاتی طور پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان یا انسانی معاشرے کیلئے قانون بنائے یا اس پر حکومت کرے۔ کسی انسان کو قانون سازی اور حکومت کا حق فقط خداوند کے عطا کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی آدمی خداوند تعالیٰ کے اذن اور اجازت کے بغیر حکومت حاصل کرے یا قانون بنائے تو وہ طاغوت شمار ہو گا۔ اس کی حکومت نامشروع ہو گی اور اس کے بنائے ہوئے قانون کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

اللہ تعالی نے اپنے قانون سازی کے حق کو استعمال کرتے ہوئے انسانوں کی شاہراہ کمال پر ہدایت کیلئے دین اسلام کو نازل فرمایا جو مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ دین انسان کی اس کی زندگی کی تمام جہات میں رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا چراغ ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو روشن کرتا ہے۔ اس دین میں انسان کی انفرادی، گھریلو اور معاشرتی و اجتماعی زندگی کیلئے اس کی فطرت سے ہماہنگ تعلیمات پائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اس کتاب میں انفرادی تعلیمات کے ہمراہ، اجتماعی و معاشرتی تعلیمات بھی پائی جاتی ہیں۔ اس گرانقدر کتاب میں خاندانی مسائل، شادی، طلاق، معاملات، تجارت، تربیت اولاد، اولوالامر کی پیروی، قرض، رہن، جنگ و صلح، شہریوں کے حقوق، عالمی حقوق، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ کے بارے میں سینکڑوں قوانین پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے بارے میں خداوند متعال کی طرف سے بنائے

گئے ہزاروں قوانین معصومین علیہم السلام کی احادیث میں موجود ہیں اور اللہ تعالی نے ان کی اطاعت غیر مشروط طور پر واجب قرار دی ہے۔

وَمَا ءَاتَىٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر/7)

ترجمہ: اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

ان میں سے اکثر قوانین چونکہ انسانی فطرت کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں اور انسانی فطرت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی لہذا یہ قوانین دائمی اور غیر متغیر ہیں۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (الروم/۳۰)

ترجمہ: پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، (یعنی) اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے۔

دوسری طرف انسان اس مادی دنیا میں زندگی گزارتا ہے جس میں ہر لمحہ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ زمان و مکان کے بدل جانے سے نئے حالات وجود میں آتے ہیں جن میں جدید قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے علاوہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ پیچیدگیاں بھی نئے حالات کو جنم دیتی ہیں جو جدید قوانین کا تقاضا کرتے ہیں۔ لہذا انسانی معاشرہ مستقل اور دائمی قوانین کے علاوہ بعض عارضی اور متغیر قوانین کا بھی محتاج ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے شریعت مقدسہ میں قانون سازی کیلئے رہنما اصول بیان کیے گئے ہیں اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق عارضی قانون بنانے کی ذمہ داری اس دور کے حاکم شرع (امام یا نائب امام) کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ ہر دور کے حاکم شرع کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن وسنت میں موجود قانون سازی کے لئے رہنما اصولوں، دینی احکام اور زمان و مکان کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے کیلئے ضروری عارضی قوانین بنائے۔ یہ قوانین بھی چونکہ خداوند کے اذن اور کلی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں لہذا انہیں الہی اور اسلامی ہونے کا افتخار حاصل ہو جاتا ہے اور ان پر عمل کرنا واجب قرار پاتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ انسان کی انفرادی اور سیاسی و اجتماعی زندگی کیلئے قانون سازی کا حق بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لہٰذا جس چیز یا مسئلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ یا اس کے معصوم نمائندوں نے قانون بنا دیا ہے قیامت تک کیلئے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کسی بھی انسان کو اس میں کسی بھی بہانے سے تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے اور ایسا کرنے والے کو قرآن پاک نے کھلا گمراہ قرار دیا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَ مَن يَعْصِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (الاحزاب/36)

ترجمہ: اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو انہیں اپنے معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گا۔

قرآن پاک کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کو نظرانداز کر کے انسانوں کی طرف سے بنائے گئے قوانین کو نافذ اور ان کے مطابق فیصلے کرنے والا شخص کافر، ظالم اور فاسق ہے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ/44)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ کافر ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدہ:/45)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدہ:/47)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ فاسق ہیں۔

یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ اس وقت دنیا میں رائج جمہوری نظاموں کی دو بنیادی اقسام ہیں؛ اسلامی جمہوریت اور سیکولر مغربی جمہوریت۔

اسلامی جمہوریت میں اگرچہ عوام کے منتخب نمائندے قانون سازی کرتے ہیں لیکن ان کی شرعی اور آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ الٰھی تعلیمات اور قانون سازی کیلئے بیان شدہ رہنما اصولوں کی روشنی

میں قوانین بنائیں۔انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائیں جو دینی احکام کے ساتھ تضاد رکھتا ہو۔اگر وہ کوئی ایسا قانون بنا بھی دیں تو وہ غیر مشروع ہوگا اور اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریت کے برخلاف سیکولر مغربی جمہوریت میں انسان کا رابطہ اپنے رب اور خالق کے ساتھ کٹا ہوا ہے۔اس نظام حکومت میں اقتدار اعلی کا مالک خدا نہیں بلکہ عوام ہیں۔انسانی معاشرہ کیلئے قانون سازی کا حق بنیادی طور پر عوام کو حاصل ہے۔لھذا عوام کے منتخب نمائندے جو قانون بھی بنادیں چاہے وہ قانون دینی تعلیمات اور احکام کے ساتھ تضاد ہی کیوں نہ رکھتا ہو اسے مشروعیت(legitimacy) حاصل ہو جائے گی۔غرب کی مادی ترقی سے مرعوب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اسی نظریہ کی قائل ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ انفرادی اور شخصی معاملات میں قانون سازی کا حق اللہ تعالی کو حاصل ہے جبکہ اجتماعی اور سیاسی امور میں قانون بنانے کا حق عوام کو حاصل ہے۔براہ راست عوام کی اکثریت یا عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کی اکثریت جس قانون کے حق میں ووٹ دے دیں اسے مشروعیت(legitimacy) اور قانونی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔یہ لوگ اپنی انفرادی زندگی میں دینی تعلیمات کو قبول کرتے ہیں لیکن اپنی اجتماعی اور سیاسی زندگی دینی تعلیمات کے بجائے اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں۔قرآن پاک ایسے افراد کی سرزنش کرتا ہے اور اسے دین کا انکار قرار دیتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے ایک حصے کو رد کرنا پورے دین کو رد کرنے کے مساوی ہے۔

وَ يَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَ يُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلاً(نساء/150)

ترجمہ: اور کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور وہ اس طرح کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

أَ فَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَالِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ

الْعَذَاب(بقرہ/85)

ترجمہ: کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے سے کفر اختیار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے دنیوی زندگی میں اس کی سزا رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور آخرت میں (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

رسول اکرمؐ کی ولایت:

واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ خود زمین پر آ کر اپنے حاکمیت کے حق کو استعمال کرتے ہوئے، حکومت کریں اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے نمائندے انبیاء اور آئمہ کی صورت میں بھیجے اسی طرح سے اپنے خاص بندوں کو اپنی جانشینی میں حکومت کرنے کا حق عطا کیا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ"(ص/26)

ترجمہ: "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

خداوند متعال نے حکومت کرنے کا حق پیغمبر اسلامؐ کو عطا فرمایا۔قرآن پاک کی گواہی کے مطابق آنحضرت کو مسلمان افراد اور معاشرہ پر اس قدر اقتدار عطا کیا گیا ہے کہ آپ مومنین کی جانوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (الاحزاب/6)

ترجمہ: نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو مطلق طور پر واجب قرار دیا ہے۔لھذا آپ جو بھی حکم دیں چاہے اس کا تعلق سیاسی امور سے ہو یا عبادی امور سے اس کے مطابق عمل کرنا فرض ہے۔

يَٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (سورہ نساء/59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اس کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

ظہور اسلام کے وقت حجاز میں کسی مرکزی حکومت اور سیاسی نظام کا وجود نہ تھا۔ رسول اکرمؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد خداوند کی طرف سے دیے گئے حق حکومت کو استعمال کرتے ہوے اس امت کی پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ آپ نے بذات خود اس حکومت کے سربراہ کا عہدہ سنبھالا اور اس نوخیز اسلامی معاشرہ کی قیادت فرمائی۔ آپ معاشرے کے تمام سیاسی، فوجی، اقتصادی، تربیتی اور ثقافتی وتمدنی امور میں حکم جاری فرماتے تھے۔ آپ نے بنفس نفیس کئی جنگوں میں مسلمان فوج کی کمان سنبھالی اور قیادت فرمائی۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح/10)

ترجمہ: بتحقیق جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ کی بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ پس جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ عہد شکنی کرتا ہے اور جو اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے تو اللہ عنقریب اسے اجر عظیم دے گا۔

آئمہ معصومینؑ کی ولایت:

مکتب اہلبیتؑ کے مطابق رسول اکرم کے بعد خداوند تعالیٰ نے حق حکومت ان کے بارہ معصوم جانشینوں کو عطا فرمایا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُم (نساء/59)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی

اطاعت کرو۔"

آیت مجیدہ میں خدااوررسول (ص) کی اطاعت کے ہمراہ، اولی الامر کی اطاعت کاحکم بطور مطلق یعنی کسی شرط اور قید کے بغیر دیا گیاہے۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں؟ کیا یہاں پر اولی الامر سے مراد ہر زمانے کے حکمران اور فرمانروا ہیں؟ بطور مثال کیا ہمارے زمانہ میں ہر ملک کے مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے ملک کے صدر یا وزیر اعظم کے بغیر کسی شرط اور قید کے اطاعت گزار بن جائیں؟ جیسا کہ بہت سے اہل سنت مفسرین نے بیان کیا ہے۔ یہ بات عقلی اور منطقی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مختلف ادوار میں حکمرانوں کی اکثریت منحرف، گناہ گار اور ظالم تھی اور اب بھی ایسا ہی ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ہر زمانے کے حکمران ہی ہیں لیکن ان کی اطاعت صرف اس صورت میں واجب ہے کہ ان کا حکم اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ یہ بات بھی درست نہیں چونکہ آیت میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم مشروط طور پر نہیں دیا گیا بلکہ بغیر کسی شرط اور قید کے ذکر ہوا ہے۔

کیا اس سے مراد مخصوص صحابہ ہیں؟ یہ تفسیر بھی اس آیت کے وسیع مفہوم " جو کہ ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے ہے " کے خلاف ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر ہمارے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اولی الامر سے مراد وہ معصوم پیشوا ہیں جن میں سے کم از کم ایک ہستی ہر دور میں پائی جاتی ہے اور جن کی پیروی کسی شرط اور قید کے بغیر ضروری اور لازم ہے اور جن کا حکم تسلیم کرنا خدا اور رسول کے حکم کو تسلیم کرنے کی طرح ہے۔

اسی طرح سورہ مبارکہ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

" إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ ءَامَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَ هُمْ رَاكِعُونَ " (مائدة:۵۵)

ترجمہ: " تمہارا ولی فقط اللہ، اس کا رسولؐ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔ عربی زبان میں " انما " کا لفظ انحصار (ایک چیز کو کسی دوسری چیز

میں محدود کرنے) کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔لہٰذا قرآن کریم فرمار ہا ہے کہ مسلمانوں کے ولی اور سر پرست فقط اور فقط تین ہیں :

1) خداوند متعال 2) پیغمبر اسلام (ص)

3) وہ مومنین جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

بلا شک وشبہ ولایت سے مراد مسلمانوں کی باہمی دوستی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی دوستی اور محبت کے لئے کوئی قید اور شرط نہیں پائی جاتی بلکہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست اور بھائی ہیں چاہے وہ حالت رکوع میں زکات دیتے ہوں یا نہ ۔

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ"

ترجمہ: سب مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔

نتیجہ یہ کہ آیت کریمہ میں ولایت سے مراد مادی اور روحانی سر پرستی اور قیادت ہے ۔ یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ آیت ولایت میں جن اوصاف کا ذکر ہوا ہے وہ ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس نے حالت رکوع میں زکات ادا کی ہے، ورنہ ضروری نہیں ہے کہ انسان نماز میں رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرے ۔حقیقت میں یہ آیت اس شخص کی فضیلت کی بجائے اس کی نشاندہی کر رہی ہے ۔

شیعہ علماء کے علاوہ اہل سنت کے بڑے بڑے مفسرین ،محدثین اور مورخین نے بھی اس آیت کاشان نزول حضرت علیؑ کے بارے میں مشہور واقعہ کو قرار دیا ہے۔جس کے مطابق حضرت علیؑ نماز میں مشغول تھے کہ اسی اثنا میں ایک حاجت مند نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر امداد کا تقاضا کیا لیکن کسی نے بھی اسے مثبت جواب نہ دیا۔رکوع کی حالت میں ہی حضرت علیؑ نے اسے چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا وہ آپ کے قریب آیا اور آپ کے ہاتھ سے انتہائی قیمتی انگوٹھی اتار لی ۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد امام علیؑ کے حق میں دعا فرمائی ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبرائیل آیت ولایت لے کر نازل ہوئے ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن پاک کی آیات اور بہت سی احادیث جیسے حدیث غدیر، حدیث ثقلین، حدیث منزلت وغیرہ سے پتا چلتا ہے کہ خداوند منان نے اپنی زمین پر حکومت کرنے کا حق فقط رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد ان کے بارہ معصوم جانشینوں کو عطا کیا ہے۔

ولایت فقیہ:

یہاں پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جب کہ امام مہدیؑ پردہ غیبت میں ہیں اور وہ براہ راست حکومت کرنے سے قاصر ہیں خداوند متعال کی طرف سے حق حکومت کسے حاصل ہے؟ آیا امام زمانہؑ نے کسی کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا ہے؟ عقلی اور نقلی دلائل سے جس بات کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام زمانہؑ نے غیبت کے زمانہ میں اپنے شیعوں کی ذمہ داریاں مقرر فرمائی ہیں اور انہیں بھیڑ بکریوں کے ایسے ریوڑ کی مانند آزاد نہیں چھوڑا جس کا چرواہا گم ہوگیا ہو۔

امام علیہ السلام نے جہاں شخصی اور انفرادی مسائل میں عوام کو حکم دیا ہے کہ وہ عادل فقہا (مجتہدین) کی تقلید کریں، وہاں معاشرتی اور سیاسی مسائل میں بھی عادل فقہا کو اپنا نائب اور جانشین بنایا ہے دوسرے الفاظ میں خداوند متعال نے آئمہ معصومین علیہم السلام کو انسانی معاشرہ پر ولایت اور سرپرسی کا حق عطا فرمایا ہے اور امام زمانہؑ نے غیبت کے زمانہ میں یہ حق اپنے نائب کے طور پر ایسے فقیہ اور مجتہد کو عطا کیا ہے جو عدالت اور شجاعت جیسی صفات رکھنے کے علاوہ معاشرہ کی مدیریت (Management) اور رہبری کی صلاحیت کا حامل ہو اس نظریہ کو نظریہ ولایت فقیہ کہتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ عادل فقیہ کو امام زمانہؑ کی طرف سے معاشرہ پر ولایت اور سرپرستی کا حق حاصل ہے بہت سی عقلی اور نقلی دلیلیں موجود ہیں جن میں سے اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک عقلی اور دو نقلی دلیلیں یہاں پر ذکر کریں گے۔

عقلی دلیل:

یہ دلیل درج ذیل مقدمات پر مشتمل ہے:

1) خداوند متعال کو ذاتی طور پر انسانی معاشرے اور افراد پر حق حاکمیت اور ولایت حاصل

ہے ۔کسی اور کو یہ ولایت فقط خداوند کی اجازت سے حاصل ہو سکتی ہے ۔خداوند نے انسانوں کو دنیا اور آخرت میں سعادتمند بنانے کیلئے ایسا دین نازل فرمایا ہے جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ۔اس دین میں انسان کی شخصی زندگی کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی کیلئے احکام موجود ہیں۔

2) دین کے سیاسی اور اجتماعی احکام سے مطلوبہ ہدف انہیں نافذ کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس طرح بیماری سے نجات کیلئے ماہر طبیب سے خالی نسخہ لکھوالینا کافی نہیں بلکہ اس میں لکھی گئی دوائیاں استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح انسانی معاشرہ میں بسنے والے افراد کو حقیقی کمال اور ترقی کی راہ پر چلانے کیلئے اس میں خداوند کے نازل کردہ احکام کو نافذ کرنا لازم ہے ۔خداوند نے ان احکام کے نفاذ کا حق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین ؑ کو عطا فرمایا ہے ۔

3) زمانہ غیبت جس میں لوگ معصوم امام کی براہ راست سرپرستی اور قیادت سے محروم ہیں کے بارے میں دو احتمال پائے جاتے ہیں۔

الف) خداوند متعال نے اسلام کے سیاسی اور معاشرتی احکام کے نفاذ کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔

ب) خداوند متعال نے ان احکام کو نافذ کرنے کی اجازت، معصوم امامؑ کے بعد اس کام کو انجام دینے کی سب سے زیادہ صلاحیت اور لیاقت رکھنے والے شخص کو عطا کی ہے۔

4) مقدمہ 3 میں بیان شدہ پہلا احتمال درست نہیں ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے سیاسی اور اجتماعی احکام کے نفاذ کو ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کے لئے کالعدم قرار دے دینا، ان احکام کو نازل کرنے کے ہدف اور غرض کے ساتھ تضاد رکھتا ہے اور خداوند متعال جیسی حکیم ذات سے اپنے ہدف سے منافات اور تضاد رکھنے والے فعل کا سرزد ہونا محال ہے ۔پس دوسرا احتمال درست ہے جس کے مطابق خداوند تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی احکام کو نافذ کرنے کی اجازت، اس شخص کو دی ہے جو اس کام کو انجام دینے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے ۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز انسان کی زندگی کیلئے ناگزیر ہو اور وہ اس کی زندگی کیلئے ہدف کی حیثیت رکھتی ہو اور وہ اسے مکمل طور پر حاصل نہ کرسکتا ہو تو انسانی عقل قطعی طور پر کہتی ہے کہ

جس حد تک ممکن ہو اسے حاصل کیا جانا چاہیے۔ عام زندگی میں اس کی مثال یہ ہے کہ اگر دو شخص نہر میں ڈوب رہے ہوں اور دونوں کو بچانا ممکن نہ ہو بلکہ ان میں سے صرف ایک شخص کی جان بچائی جاسکتی ہو تو عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ ان میں سے جس ایک کی جان بچائی جاسکتی ہے اس کی جان بچانا فرض ہے۔ یہ کہنا قابل قبول نہیں ہے کہ چونکہ دونوں کی جان نہیں بچائی جاسکتی لھذا ان میں سے ایک کی جان بچانا بھی ضروری نہیں ہے۔ اسی عقلی قانون کے مطابق اسلام تخت یا تختہ کا قائل نہیں بلکہ اگر کسی جگہ کسی شرعی حکم کے اہداف سو فیصد حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو اسے سرے سے کالعدم قرار نہیں دے دیتا بلکہ اس سے نچلی سطح کے اہداف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر وضو کیلئے پانی نہ ہو تو نماز کا وجوب ختم نہیں ہو جاتا بلکہ تیمم کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

اسلام میں الھی احکام کو نافذ کرنے کے لحاظ سے مثالی (آئیڈیل) صورت حال یہ ہے کہ یہ کام معصوم نبی یا امام کے ہاتھوں انجام پائے۔ اس زمانہ میں جب کہ امام عصر علیہ السلام پردہ غیبت میں ہیں اور براہ راست معاشرہ پر حکومت نہیں کر سکتے تو عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ ان احکام کو کالعدم نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ امام کے بعد جس شخص میں انہیں نافذ کرنے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہو اس کے ہاتھوں انہیں معاشرہ میں نافذ ہونا چاہیے۔

5) جامع الشرائط فقیہ یعنی ایسا فقیہ اور مجتہد جو عدالت، شجاعت اور معاشرہ کی مدیریت اور قیادت کی صلاحیت رکھتا ہو، میں باقی لوگوں کی نسبت اسلامی احکام کو نافذ کرنے کی صلاحیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام معصوم میں پائی جانے والی تین صفات ان کی حکومت کو کامل ترین حکومت قرار دیتی ہیں اور وہ تین صفات عصمت، اسلامی احکام وقوانین اور ہر زمانے کے حالات کا کامل علم اور معاشرہ کی مدیریت اور قیادت کرنے کی صلاحیت ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان تین صفات کا حامل ہونے کے لحاظ سے باقی لوگوں کی نسبت امام معصومؑ سے نزدیک تر ہو گا اس میں اسلامی احکام کے نفاذ کی صلاحیت زیادہ پائی جائے گی اور ایسا شخص جامع الشرائط فقیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا مجتہد اجتہاد کے ذریعے اسلامی احکام کا دقیق ترین علم اور

اعلیٰ سطح کی عدالت اور بصیرت و قائدانہ صلاحیتیں رکھنے کی وجہ سے دوسرے افراد کی نسبت معصوم امام سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ ہماری عقل قطعی طور پر فیصلہ سناتی ہے کہ جامع الشرائط فقیہ کو اسلامی معاشرہ میں حکومت بنا کر دینی احکام کو نافذ کرنا چاہیئے۔ نیز علم اصول فقہ کا قانون ہے کہ

"كُلُّ ما حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ"

یعنی جس چیز کا عقل حکم دے شریعت بھی اس چیز کا حکم دیتی ہے۔

پس شریعت مقدسہ فقط ولی فقیہ کو اسلامی احکام نافذ کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس کی حکومت کو مشروع جانتی ہے اور اس کی پیروی کو واجب جانتی ہے۔

پہلی نقلی اور روائی دلیل:

ایک روایت جس سے ولایت فقیہ کو ثابت کیا جاسکتا ہے "مقبولہ عمر بن حنظلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس حدیث میں معصوم امام علیہ السلام نے فقیہ کو اپنے شیعوں کے لئے حاکم اور قاضی قرار دیا ہے۔

" مَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَدْ رَوَى حَدِيثَنَا وَ نَظَرَ فِي حَلاَلِنَا وَ حَرَامِنَا وَ عَرَفَ أَحْكَامَنَا فَلْيَرْضَوْا بِهِ حَكَماً فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَيْكُمْ حَاكِماً فَإِذَا حَكَمَ بِحُكْمِنَا فَلَمْ يَقْبَلْهُ مِنْهُ فَإِنَّمَا اِسْتَخَفَّ بِحُكْمِ اللَّهِ وَ عَلَيْنَا رَدَّ وَ الرَّادُّ عَلَيْنَا كَالرَّادِّ عَلَى اللَّهِ وَ هُوَ عَلَى حَدِّ الشِّرْكِ بِاللَّهِ"(اصول کافی، ج1،ص67، وسائل الشیعہ، ج18،ص98)

ترجمہ: "تم میں سے جو شخص ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال اور حرام کا ماہر ہو اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو؛ تمہیں چاہیے کہ اسے قاضی کے طور پر قبول کرو۔ یقیناً میں نے اسے تمہارا حاکم بنایا ہے پس جب وہ حکم کرے اور کوئی اسے قبول نہ کرے تو وہ خدا کے حکم کو کم اہمیت سمجھتا ہے اور اس نے ہمیں رد کیا ہے اور ہمیں رد کرنے والے نے خدا کو رد کیا ہے اور خدا کو رد کرنا خداوند متعال کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے ہم پلہ ہے۔

واضح ہے کہ اس حدیث میں عبارت "قَدْ رَوَی حَدِیثَنَا وَ نَظَرَ فِی حَلاَلِنَا وَ حَرَامِنَا وَ عَرَفَ أَحْکَامَنَا" فقط ایسے شخص پر قابل تطبیق ہے، جو دینی احکام اور مسائل میں مجتہد ہو پس امام علیہ السلام نے فقہا اور مجتہدین کو اپنے جانشین کے طور پر لوگوں پر حکومت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے اور ان کی اطاعت کو عوام پر واجب قرار دیا ہے اور ان کے حکم کو اپنا حکم قرار دیا ہے اور ان کے حکم کو رد کر دینے کو شرک کے ہم پلہ گناہ قرار دیا ہے۔

دوسری نقلی اور روائی دلیل:

مرحوم شیخ صدوق نے اپنی کتاب اکمال الدین میں ایک روایت نقل کی ہے جو فقہاء کے درمیان توقیع شریف کے نام سے مشہور ہے یہ توقیع درحقیقت وہ جواب ہے جو امام زمانہ علیہ السلام نے اسحاق بن یعقوب کے خط کے جواب کے طور پر تحریر فرمایا ہے۔ اسحاق بن یعقوب نے درحقیقت اپنے خط میں کچھ سوال امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے تھے ان سوالوں میں سے ایک سوال یہ تھا کہ الحوادث الواقعہ (پیش آنے والے واقعات) میں ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

"وأما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها إلى رواة حديثنا فإنهم حجتي عليكم وأنا حجة الله عليهم" (اکمال الدین، ج1، ص483)

ترجمہ: "الحوادث الواقعہ (پیش آنے والے واقعات) میں ہماری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرو چونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر اللہ کی حجت ہوں۔"

واضح ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیعوں کو پیش آنے والے جدید سیاسی اور معاشرتی مسائل الحوادث الواقعہ (پیش آنے والے واقعات) کے مصادیق میں سے ہیں لہٰذا امام علیہ السلام نے شیعوں کو حکم دیا ہے کہ وہ سیاسی اور معاشرتی مسائل میں اہل بیتؑ کی احادیث بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کریں اور ان کی اطاعت کریں۔

ممکن ہے کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس توقیع شریف کے مطابق فقط فقہا کو ولایت حاصل نہیں

ہے بلکہ جو شخص بھی کوئی حدیث کی کتاب مثال کے طور پر اصول کافی ہاتھ میں لے کر لوگوں کے لئے حدیثیں بیان کرے گا اسے ولایت حاصل ہو جائے گی۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی روایت کو یونہی کسی کتاب میں پڑھ کر امام معصومؑ کی حدیث نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ کسی بات کو امامؑ سے نسبت دینے کے لئے شرعی دلیل اور حجت کی ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا یہ کام انجام دینے کے لئے ایک خاص مہارت کی ضرورت ہے جو فقط فقہا میں پائی جاتی ہے۔نتیجہ یہ کہ امام زمانہ علیہ السلام نے اس توقیع شریف میں فقہا کو سیاسی اور اجتماعی مسائل میں شیعوں کے لئے مرجع اور سرپرست قرار دیا ہے۔

ولی فقیہ کی شرائط:

اسلامی حکومت، دینی قوانین کی بنیاد پر اسلامی معاشرے کے امور چلاتی ہے۔اس کام کو بطریق احسن انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی حکومت کے مسئولین اپنے عہدے کے تناسب سے دینی احکام سے آشنا ہوں۔حکومت اسلامی کا سربراہ اور وسیع اختیارات کا حامل ہونے کے ناطے ولی فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں خاص شرائط پائی جائیں۔فقط ان شرائط کے حامل افراد کے ہاتھوں میں حکومت اور قدرت دے کر ہی اس بات کی ضمانت حاصل کی جاسکتی ہے کہ اسلامی احکام درست طور پر نافذ ہوں گے،اقتدار سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا اور عوام کے حقوق پامال نہیں ہوں گے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ولی فقیہ جو کہ عصر غیبت میں اسلامی نظام حکومت میں سب سے قدرتمند شخص ہوتا ہے کے لئے خاص شرائط معین فرمائی ہیں۔

۱) فقاہت:

خداوند تعالیٰ نے یہ کائنات انسان کے لئے خلق فرمائی ہے اور انسان کو ہر لحاظ سے کامل بننے کے لئے خلق کیا ہے۔اس حکیم ذات نے انسان کے ہمراہ اسے کمال تک پہنچانے والا

فارمولا بھی دین کی صورت میں نازل فرمایا۔انسانی معاشرہ صرف اور صرف الٰہی قوانین کو نافذ کر کے ہی دنیا اور آخرت میں ہمہ جہتی کمال تک پہنچ سکتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے حکومت اسلامی کے سربراہ کے لئے فقاہت کی شرط رکھی ہے ۔فقیہ یعنی ایسا شخص جو اسلامی احکام کے منابع (قرآن ،سنت اور عقل) سے احکام کے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہو،خدائی قوانین کے مطابق معاشرے کو چلاتا ہے اور قوانین کے نفاذ کی نگرانی کرتا ہے ۔دراصل ولی فقیہ کی اسلامی معاشرے پر ولایت اور قیادت کا سرچشمہ اس کا مقام فقاہت ہی ہے ۔یعنی ولی فقیہ اپنی فقاہت کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کے دائرے میں عمل کرتا ہے ۔دوسرے الفاظ میں اسلامی معاشرے پر درحقیقت فقیہ کی بجائے فقاہت کی حکومت ہوتی ہے جس کے نتیجے کے طور پر معاشرے کے سیاسی اور معاشرتی روابط پر دین کی حاکمیت ہوتی ہے۔

امام خمینیؒ قائل تھے کہ اگر حکمران دینی قوانین سے آگاہ نہ ہو یا اس کی آگاہی اجتہاد کے بجائے تقلید کے ذریعے ہو تو وہ حکومت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ تقلید کرے تو حکومت کے اقتدار و قدرت کو زک پہنچتی ہے اور اگر تقلید نہ کرے تو وہ اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کرسکتا۔

ولایت فقیہ کی بحث میں فقیہ سے مراد جامع الشرائط مجتہد ہے ۔ایسا مجتہد جو اجتہاد مطلق کا حامل ہو۔اسلام ایک منسجم نظام ہے جس میں دیانت عین سیاست اور سیاست عین دیانت ہے ۔ان دو میں دوئی نہیں پائی جاتی ۔الٰہی تعلیمات کو اسی وقت درست اور مکمل طور پر پہچانا جاسکتا ہے جب اس کا تمام پہلوؤں سے علم حاصل کیا جائے ۔یوں حقیقی اسلام شناس وہ ہوگا جو تمام اصول دین و فروع دین ،عبادات ،عقود ،احکام ،ایقاعات اور اسلامی سیاست میں مجتہد ہو۔اس بنیاد پر اگر کوئی شخص تمام دینی معارف کی تحلیل کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس میں اسلامی معاشرہ کی مدیریت کی صلاحیت نہیں پائی جاتی ۔اسی طرح سے جو فقیہ اسلام کی سیاسی تعلیمات کو مکمل طور پر نہ سمجھتا ہو اس کے کندھے اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے ناتواں ہیں عصر غیبت میں اسلامی نظام پر حاکم فقیہ جس نے قرآن پاک کی محافظت ،تشریح اور نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہوتا ہے ،کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقدس کتاب کی تمام جہات سے آگاہ ہو اسے چاہیے کہ قرآنی معارف اور احکام کے علاوہ

انسان اور اسلامی معاشرہ کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی احادیث کا عمیق مطالعہ کرنے کے ذریعے اسلامی احکام کا کامل اور جامع علم حاصل کرے۔

۲) عدالت:

اسلامی نظام میں حکمران کو وسیع اختیارات سے نوازا گیا ہے۔اگر وہ تقویٰ اور اعلیٰ اخلاقی صفات کا حامل نہ ہو تو اقتدار اور قدرت کو ناجائز استعمال کرے گا اور اسلام اور مسلمین کے مفادات کو ذاتی اور اپنے حامیوں کے مفادات پر قربان کر دے گا۔عدالت اور امانتداری ایسی صفات ہیں جو ارباب اقتدار کو طاقت کے ناجائز استعمال سے روکتی ہیں اور ہر سیاسی نظام میں ہر سطح کے مسئولین کے لئے ضروری ہیں اور اس بات کا سبب بنتی ہیں کہ معاشرے کے افراد معاشرے کے امور کی باگ ڈور اطمینان کے ساتھ ان صفات کے حامل افراد کے ہاتھوں میں دے سکیں۔اسلامی حکومت میں معاشرتی عدالت، تعلیم و تربیت، عوام کے حقوق کی محافظت وغیرہ جیسے اہداف کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ان اہداف کو فقط صالح اور عادل حکمرانوں کی معاشرے پر حکومت کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:"

"فَلَيْسَتْ تَصْلُحُ الرَّعِيَّةُ إِلاَّ بِصَلاَحِ الْوُلاَةِ"

ترجمہ: ملت کی اصلاح حکمرانوں کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

یہ روایت اس اثر کو بیان کر رہی ہے جو عوام حکمران کے اخلاق اور چال چلن سے قبول کرتے ہیں۔اس بنیاد پر حکمران میں پائی جانے والی عدالت اور تقویٰ کی صفت اسے طاقت کے ناجائز استعمال سے روکنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے افراد کو اعلیٰ اخلاقی صفات کی طرف مائل کرتی ہے اور انہیں ظلم و خیانت وغیرہ سے دور رکھتی ہے امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

" فَأَمَّا مَن كانَ مِن الفُقَهاءِ صائنا لنفسِهِ حافِظا لِدِينِهِ مُخالِفا على هَواهُ مُطِيعا لأمرِ مَولاهُ فلِلعَوامِّ أن يُقَلِّدُوهُ "

فقہا میں سے جو شخص اپنے نفس اور اپنے دین کی حفاظت کرے، اپنی نفسانی خواہشات کا مخالف

اور اپنے مولا کے حکم کا مطیع ہو تو عوام کو چاہیے کہ اس کی پیروی کریں۔

عادل فقیہ سے مراد ایسا مجتہد ہے جو اپنی ذاتی زندگی کے دائرے میں اور معاشرے کے امور میں اپنے علم کو صحیح طور پر نافذ کرے۔ اپنے تمام دینی فرائض کو انجام دے۔ دینی تعلیمات کی تبلیغ اور نفاذ کرتے وقت مکمل امانتداری سے کام لے اور دین کے کسی حصے کو چھپائے نہیں۔ عادل فقیہ کو چاہیے کہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرے کیونکہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات کا مطیع ہو اس نے اپنے نفس کے اندر بت خانہ بنا رکھا ہوتا ہے اور نفسانی خواہشات اس کے معبود کی حیثیت اختیار کر چکی ہوتی ہیں۔ " افرایت من اتخذ الهه هواه " (جاثیہ / 23)۔ ایسے شخص میں ہرگز اسلامی معاشرے پر ولایت اور قیادت کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

۳) بصیرت اور قائدانہ صلاحیتیں:

ولی فقیہ چونکہ عصر غیبت میں امت مسلمہ کا رہبر اور سربراہ ہوتا ہے اور امت کے کارواں نے اس کے پیچھے حرکت کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے لھذا عقل یہ کہتی ہے کہ اس میں معاشرہ کی مدیریت اور قیادت کرنے کی صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ولی فقیہ کے لئے لازم ہے کہ وہ لوگوں کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھائے اور اہل اور امانتدار افراد کی شناخت کی صلاحیت رکھتا ہو۔ افراد کو ان کی اہلیت کے مطابق ذمہ داریاں دے۔ اس کے کلام میں اثر ہو اور جس طرف رخ کرے معاشرہ کو اپنے پیچھے کھینچ کر لے جائے۔ سخت ترین حالات میں درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

نیز ولی فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ ترین سطح کی سیاسی بصیرت رکھتا ہو کیونکہ کشتی امت کو آج کی مکارانہ عالمی سیاست کی تلاطم خیز موجوں سے گزار کر ساحل امن تک پہچانے کی عظیم ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اس دور کی عالمی سیاست منافقت پر مبنی ہے۔ عالمی طاقتیں دوسرے ممالک میں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے دلفریب شعاروں کا انتخاب کرتی ہیں۔ استقلالی فکر رکھنے والی ملتوں اور حکومتوں کو دباؤ میں لانے کے لئے وہاں پر جمہوریت کے

فقدان، انسانی حقوق کی عدم مراعات، میڈیا کی آزادی نہ ہونے وغیرہ کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور انہیں بہانہ بنا کر لشکرکشی کی جاتی ہے جس میں لاکھوں لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

ایسے میں وہی شخص امت مسلمہ کی قیادت کر سکتا ہے جو دوست اور دشمن کی شناخت رکھتا ہو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی چالوں سے آگاہی رکھتا ہو اور ان چالوں کو بے اثر کرنے کے لئے بروقت مناسب اقدام کے ذریعے انکا توڑ کر سکے۔ امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"وَلاَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ إِلاَّ أَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ وَالْعِلْمِ بِمَوَاضِعِ الْحَقِّ"۔

ترجمہ: یہ علم (معاشرہ کی قیادت و ہدایت کا پرچم) صاحب بصیرت، صابر اور حق کی شناخت رکھنے والے شخص کے علاوہ کوئی اور نہیں اٹھا سکتا۔

ولایت فقیہ اور مرجعیت:

انسان کے اختیاری افعال کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ افعال ہیں جن کا تعلق ایک شخص کی ذاتی اور انفرادی زندگی سے ہوتا ہے اور ان کا معاشرہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان افعال کا نفع اور نقصان صرف انہیں انجام دینے والے کو پہنچتا ہے۔ کسی شخص کی طرف سے ان افعال کے انجام پانے یا انجام نہ پانے کی وجہ سے اس معاشرہ میں بسنے والے دوسرے افراد کی زندگیاں متاثر نہیں ہوتیں۔ ایسے افعال کو شخصی یا انفرادی افعال کہا جاتا ہے۔ ان مسائل میں عادل مجتہد کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ ان امور میں مجتہد کے فتاوی پر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں اور جس مجتہد کی پیروی کی جائے اسے مرجع تقلید کہا جاتا ہے۔

یہاں اس نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ انفرادی مسائل میں لازم نہیں ہے کہ پورا معاشرہ کسی ایک مجتہد کی پیروی کرے بلکہ کسی بھی جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کی جا سکتی ہے اور ایک معاشرہ

میں کئی مراجع تقلید پائے جاسکتے ہیں۔

انسان کے افعال کی دوسری قسم اجتماعی افعال سے عبارت ہے۔ان افعال کا تعلق براہ راست انسانی معاشرہ سے ہوتا ہے۔دشمن سے جنگ یا صلح کرنا، مجرموں کو سزا دینا، معاشرہ کیلئے قانون سازی کرنا وغیرہ اجتماعی افعال کی مثالیں ہیں۔یہ افعال اگر درست طور پر انجام پائیں تو اس کا فائدہ پورے معاشرہ کو پہنچتا ہے اور اگر درست طور پر انجام نہ پائیں تو پورے معاشرہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ان امور کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ کسی معاشرہ کی بقا اور تکامل و ترقی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں بسنے والے تمام افراد اجتماعی امور میں یک زبان اور متحد ہو کر ایک سمت میں حرکت کریں اور ایک موقف اپنائیں۔مثال کے طور پر اگر کسی خاص موقع پر دشمن سے جنگ کرنے کا فیصلہ ہو تو پورا معاشرہ حالت جنگ میں ہو اور اگر صلح کی جائے تو سارے اسے قبول کریں۔اگر معاشرہ کا ایک گروہ لڑ رہا ہو اور دوسرے گروہ نے علم صلح بلند کر رکھا ہو تو شکست ایسے معاشرہ کا حتمی مقدر ٹھہرے گی۔یہیں سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ ایک معاشرہ کے ایک سے زیادہ قائد اور رہبر نہیں ہو سکتے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشرے کی قیادت فرما رہے تھے اور امام علی اور حسنین علیہم السلام مقام عصمت کے حامل ہونے کے باوجود آپ کی پیروی کرتے تھے۔امام علی علیہ السلام کے دور میں امام حسن اور امام حسین عملی طور پر امامت نہیں کرتے تھے بلکہ آپؑ کی پیروی کرتے تھے۔

اس سے پہلے ثابت کیا جاچکا ہے کہ جامع الشرائط مجتہد کو امام زمانہ علیہ السلام کے نائب کے طور پر اسلامی معاشرہ پر حکمرانی کا حق حاصل ہے اور ایسے مجتہد کو ولی فقیہ کہتے ہیں۔ان مطالب سے یہ منطقی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ کیلئے ایک وقت میں صرف ایک رہبر اور ولی فقیہ پایا جاتا ہے اور دوسرے مجتہدین اور ان کے مقلدین کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ اجتماعی امور میں ولی فقیہ کی پیروی کریں۔پس شخصی مسائل میں ہر کوئی اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کرے گا اور اجتماعی امور میں مراجع تقلید سمیت پورے اسلامی معاشرہ پر ولی فقیہ کی پیروی

واجب ہے۔

ولایت مطلقہ فقیہ:

نبوت اور امامت خدائی منصب اور عہدہ ہیں۔شاہراہ کمال پر انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے اپنے نمائندے چنے اور انہیں خاص صلاحیتوں اور وسیع اختیارات سے نوازا۔انہیں مقام عصمت کا حامل بنایا اور ایسا علم عطا فرمایا کہ وہ ہر سوال کا جواب دینے پر قادر تھے۔اسی طرح سے وہ خداوند تعالیٰ کے سب سے مقرب اور پیارے بندے تھے۔خدا کے یہاں جو مقام انہیں حاصل تھا وہ کسی اور کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا خدا نے انہیں کائنات میں تصرف کا اختیار عطا فرمایا ہے۔وہ خدا کی عطا کردہ قدرت اور اذن سے ایسے کام انجام دے سکتے ہیں جو عام انسانوں کے بس سے باہر ہیں مثال کے طور پر حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتے تھے تو وہ حقیقی پرندہ بن جاتا تھا اصطلاح کے مطابق انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کو ولایت تکوینی حاصل تھی۔اس طرح سے خداوند نے انہیں معاشرے کا سرپرست بنایا اور حق حکومت سے نوازا ہے۔واضح ہے کہ اگرچہ ولی فقیہ عصر غیبت میں آئمہ معصومینؑ کا جانشین ہوتا ہے لیکن اسے ان سب صفات اور اختیارات سے نہیں نوازا گیا۔ولی فقیہ کی مثال اماموں کے مقابلے میں ایک لالٹین کی مثال سورج کے مقابلے ہے۔

لیکن جیسا کہ عقلی اور نقلی دلیلوں کے ذریعے ثابت کیا جا چکا ہے کہ فقہاء کو آئمہ طاہرین علیہم السلام کے نائب اور جانشین ہونے کے طور پر ان کی طرف سے حق حکومت حاصل ہے اور فقط انہی کی حکومت شرعی لحاظ سے مشروعیت (legitimacy) رکھتی ہے۔یہاں پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ولی فقیہ کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہے؟ ولی فقیہ کن امور میں حکم دینے کا حق رکھتا ہے؟ روشن ہے کہ آئمہ کو بعض اختیارات معصوم امام ہونے کے لحاظ سے عطا کیے گئے ہیں اور یہ اختیارات کسی بھی صورت ولی فقیہ کو منتقل نہیں ہوتے نیز ولی فقیہ کے اختیارات کے دائرہ کار کی بحث میں ان اختیارات کو زیر بحث نہیں لایا جاتا بلکہ اس بحث میں امام کے ان اختیارات کے

فقیہ کو منتقل ہونے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے جو امام کو معاشرے کا حاکم اور حکمران ہونے کے لحاظ سے عطا کیے گئے ہیں پس سوال یہ ہے کہ آیا ولی فقیہ کو اسلامی معاشرے کے حاکم ہونے کے لحاظ سے وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو امام معصوم کو حاکم ہونے کے لحاظ سے حاصل ہوتے ہیں؟ آیا ولی فقیہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان معاشرہ کی دنیوی اور اخروی سعادت کے لئے ہر قسم کے فیصلے کرنے کے اختیار کا حامل ہے یا اس کے اختیار کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے اور وہ صرف ان امور میں فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہے جن میں کوئی چارہ نہ رہا ہو اور حالات ایمرجنسی کی صورت اختیار کر چکے ہوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ولی فقیہ کو وہ تمام اختیارات امام کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں جو امام معصوم کو معاشرے کا حاکم ہونے کے لحاظ سے حاصل ہیں۔ ان اختیارات سے صرف انہی اختیارات کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کے بارے میں کوئی خاص دلیل مثلاً کوئی مستند حدیث یہ ثابت کر دے کہ وہ امام معصوم سے مخصوص ہے اور فقیہ کو منتقل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض فقہا قائل ہیں کہ جہاد ابتدائی کا حق فقط آئمہ کو حاصل ہے اور فقہا جہاد ابتدائی کا حکم نہیں دے سکتے۔ امام کے بطور حاکم تمام اختیارات کے ولی فقیہ کو منتقل ہونے کو اصطلاحی طور پر ولایت مطلقہ فقیہ کہا جاتا ہے۔

امام خمینیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرین کو سیاسی اور حکومتی امور میں جو اختیارات حاصل تھے وہ سب عادل فقیہ کو حاصل ہیں ان کے اختیارات میں فرق ڈالنا معقول نہیں چونکہ حاکم جو شخص بھی ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے احکام کو نافذ کرے، شرعی حدود کو قائم کرے اور خراج اور مالیات وصول کر کے انہیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرے۔"

ولایت مطلقہ فقیہ دو اہم نکات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب فقیہ حکومت کا سربراہ بنتا ہے تو اسے وہ تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو حکومت چلانے اور معاشرے کے امور کی تدبیر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے فقیہ اور امام معصومؑ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی یہ کہنا قابل قبول نہیں ہے کہ معاشرے کے امور چلانے کے لئے لازم اور ضروری بعض اختیارات امام معصوم سے مخصوص ہیں اور ولی فقیہ کو منتقل

نہیں ہو سکتے۔ اگر امام معصوم حکومت کا سربراہ ہو تو وہ ان اختیارات کو استعمال کر سکتا ہے لیکن فقیہ کو ان اختیارات کے استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس بات کا باطل ہونا بدیہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت چلانا اور معاشرے کے امور کی مدیریت کرنا فقیہ کی ذمہ داری ہے اور فرض کے مطابق حکومت چلانے کے لئے یہ اختیارات لازم ہیں انہیں بروئے کار لائے بغیر معاشرے کے امور نہیں چلائے جا سکتے۔ اس حالت میں فقیہ سے اس کے فرض کی ادائیگی کا تقاضا کرنے اور اسے اس کام کے لئے ضروری اختیارات سے محروم کرنے میں تضاد پایا جاتا ہے اور کوئی بھی عاقل ایسے متضاد احکام جاری نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ولی فقیہ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو حکومتی امور چلانے کے لئے ضروری ہیں۔

دوسرا نکتہ جس کی طرف ولایت مطلقہ فقیہ اشارہ کرتی ہے یہ ہے کہ ولی فقیہ کے اختیارات کا دائرہ اضطراری حالات (ایمر جنسی) تک محدود نہیں ہے بلکہ ولی فقیہ اسلامی معاشرے کے تکامل و ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے ہر وہ اقدام کر سکتا ہے جس کی عقل یا عقلاء تائید کریں۔ یہاں پر اس کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

مثال اول: شہر کی آبادی اور گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے اس شہر کی موجودہ سڑکیں ٹریفک کے لئے ناکافی ہو جاتی ہیں شہر میں ایک خاص مقام سے کسی دوسری جگہ تک سفر کرنے کے لئے درکار وقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شدید مریضوں اور حادثات کا شکار ہونے والے افراد کو ایمبولینس کے ذریعے ہسپتال منتقل کرنے میں تاخیر ہوتی ہے۔ ان حالات میں شہر کی سڑکوں کی چوڑائی میں توسیع اور مزید سڑکیں بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسری طرف سڑکوں کی توسیع کے لئے عوام سے زمین خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض لوگ اپنی جائیداد کی مناسب قیمت لے کر بھی، اسے بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے میں ولی فقیہ کو شہر کی ٹریفک کے اضطراری حالت (ایمر جنسی) تک پہنچنے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں کے سفر میں لگنے والے وقت میں کمی، ان کے سفر میں آسانی اور مریضوں کو سرعت کے ساتھ ہسپتال پہنچانے کے لئے سڑکوں کی توسیع اور نئی سڑکیں بنانے کا حکم دے سکتا ہے ایسے میں سڑک کے لئے جگہ لینے کے لئے لوگوں کو ان کی جائیداد کی قیمت ادا کرنے اور دوسرے

نقصانات کی تلافی کرنے کے بعد ان کے راضی ہونے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مثال دوم: لوگوں کے صحت کے معیار کو بلند کرنے کے لئے شہر میں کھیل کے میدان اور پارک بنانے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے عوام سے زمین خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اس صورت میں بھی پارک اور کھیل کے میدان بنانے کے لئے ولی فقیہ صحت کے لحاظ سے اضطراری حالت کے انتظار کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ لوگوں کے صحت کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے پارک اور کھیل کے میدان کیلئے مناسب اور مطلوبہ جگہ کے مالکان کے راضی نہ ہونے کی صورت میں بھی پارک اور کھیل کے میدان بنانے کا حکم دے سکتا ہے البتہ انہیں ان کی جائیداد کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

اعتراض: بعض لوگ فقیہ کو ولایت مطلقہ حاصل ہونے پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرح فقیہ کو بہت زیادہ اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں اور ولایت فقیہ ایک طرح کی آمریت (Dictatorship) کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

جواب: یہ اعتراض دراصل ولایت مطلقہ فقیہ کو درست نہ سمجھنے کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے آمریت (Dictatorship) ایسا نظام حکومت ہے جس میں حاکم مطلق العنان ہوتا ہے وہ کسی قانون اور آئین کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اپنی خواہشات کا پیرو ہوتا ہے وہ تمام فیصلے اپنے ذاتی مفادات اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے ساتھیوں کے مفادات کو مدنظر رکھ کر کرتا ہے وہ قومی مفادات کو اپنے ذاتی مفادات پر قربان کر دیتا ہے۔خلاصہ یہ کہ آمر دراصل ایسا شخص ہوتا ہے جو قانون اور آئین سے ماورا اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق حکومت کرتا ہے اور کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا اس کے برعکس ولی فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ خداوند متعال کے احکام کو نافذ کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کے مفادات کی حفاظت کرے۔ولی فقیہ کو اس دلیل کی بنیاد پر حکومت کا سربراہ بنایا جاتا ہے کہ انسانوں کو کمال تک پہچانے کے لئے اسلامی احکام کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور عصر غیبت میں فقط فقہاء اسلامی احکام کو درست طور پر نافذ کرسکتے ہیں لہٰذا فقیہ کی حکومت میں تمام حکومتی امور میں فیصلے خداوند متعال کی رضا، اسلامی احکام اور معاشرے کے مفادات کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اسی بنیاد پر ولی فقیہ کے لئے عدالت کی شرط رکھی گئی ہے۔اگر

فقیہ ایک فیصلہ بھی اسلامی احکام اور امت مسلمہ کے مفادات کے بجائے ذاتی خواہشات اور مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کرے تو ولی فقیہ رہنے کی صلاحیت اس سے سلب ہو جاتی ہے اور وہ ولایت کھو دیتا ہے دوسرے الفاظ میں ولایت فقیہ دراصل اسلامی احکام کی حکومت ہے۔

پس ولی فقیہ میں پائی جانے والی عدالت کی صفت اس کی حکومت اور آمریت میں اتنا ہی فاصلہ ڈال دیتی ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان پایا جاتا ہے۔

ولی فقیہ کو کیسے پہچانیں؟

نظریہ ولایت فقیہ کے بارے میں ایک سوال یہ سامنے آتا ہے کہ درست ہے کہ عقلی اور نقلی دلیلیں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ عصر غیبت میں خاص شرائط کے حامل مجتہد کو امام زمانہ علیہ السلام کے نائب کے طور پر اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عوام ایسے مجتہد کو کیسے پہچانیں؟

اس سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ اگر کسی بھی طریقہ سے معلوم ہو جائے کہ آئمہ علیہم السلام کی طرف سے بیان کردہ صفات فلاں مجتہد میں پائی جاتی ہیں تو اس کی پیروی واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ امام خمینیؒ نے ایران میں جب اسلامی انقلاب کیلئے تحریک شروع کی تو وہاں کی عوام کو خواص کی تشخیص کی بنیاد پر یقین ہوگیا کہ یہی شخص ولی فقیہ ہے۔لھذا آپ کی رہبری میں ایرن میں اسلامی انقلاب آیا اور آپ نے اسلامی حکومت قائم کر کے بطور ولی فقیہ امت کے امور کی باگ ڈور سنبھالی۔

ایران میں اسلامی حکومت کے قیام سے ولی فقیہ کی پہچان کا کام بہت آسان ہو گیا ہے۔چونکہ ایران میں وہاں کے اسلامی آئین کی روشنی میں ہر دور کے لئے ولی فقیہ کی شناخت کرنے اور منتخب شدہ ولی فقیہ سے عوام کو روشناس کرانے کیلئے مجلس خبرگان کے نام سے ایک ادارہ قائم کر دیا گیا ہے۔ولی فقیہ کی شناخت کی صلاحیت رکھنے والے تقریبا اسی عادل مجتہدین اس ادارے کے رکن ہیں۔ان مجتہدین کی شرعی اور آئینی ذمہ داری ہے کہ خدانخواستہ جب موجودہ ولی فقیہ دنیا سے رخصت ہو جائے یا کسی حادثہ، بیماری یا کسی بھی دوسری وجہ سے وہ ولایت فقیہ

فقیہ کو منتقل ہونے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے جو امام کو معاشرے کا حاکم اور حکمران ہونے کے لحاظ سے عطا کیے گئے ہیں پس سوال یہ ہے کہ آیا ولی فقیہ کو اسلامی معاشرے کے حاکم ہونے کے لحاظ سے وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو امام معصوم کو حاکم ہونے کے لحاظ سے حاصل ہوتے ہیں؟ آیا ولی فقیہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان معاشرہ کی دنیوی اور اخروی سعادت کے لئے ہر قسم کے فیصلے کرنے کے اختیار کا حامل ہے یا اس کے اختیار کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے اور وہ صرف ان امور میں فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہے جن میں کوئی چارہ نہ رہا ہو اور حالات ایمرجنسی کی صورت اختیار کر چکے ہوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ولی فقیہ کو وہ تمام اختیارات امام کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں جو امام معصوم کو معاشرے کا حاکم ہونے کے لحاظ سے حاصل ہیں۔ ان اختیارات سے صرف انہی اختیارات کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کے بارے میں کوئی خاص دلیل مثلاً کوئی مستند حدیث یہ ثابت کر دے کہ وہ امام معصوم سے مخصوص ہے اور فقیہ کو منتقل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض فقہا قائل ہیں کہ جہاد ابتدائی کا حق فقط آئمہ کو حاصل ہے اور فقہا جہاد ابتدائی کا حکم نہیں دے سکتے۔ امام کے بطور حاکم تمام اختیارات کے ولی فقیہ کو منتقل ہونے کو اصطلاحی طور پر ولایت مطلقہ فقیہ کہا جاتا ہے۔

امام خمینیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرین کو سیاسی اور حکومتی امور میں جو اختیارات حاصل تھے وہ سب عادل فقیہ کو حاصل ہیں ان کے اختیارات میں فرق ڈالنا معقول نہیں چونکہ حاکم جو شخص بھی ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے احکام کو نافذ کرے، شرعی حدود کو قائم کرے اور خراج اور مالیات وصول کر کے انہیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرے۔"

ولایت مطلقہ فقیہ دو اہم نکات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب فقیہ حکومت کا سربراہ بنتا ہے تو اسے وہ تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو حکومت چلانے اور معاشرے کے امور کی تدبیر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے فقیہ اور امام معصومؑ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی یہ کہنا قابل قبول نہیں ہے کہ معاشرے کے امور چلانے کے لئے لازم اور ضروری بعض اختیارات امام معصوم سے مخصوص ہیں اور ولی فقیہ کو منتقل

استعماری طاقتیں پروپیگنڈا، پیسہ اور خوف و دہشت پھیلانے کے ذریعے اثر انداز نہ ہوسکیں، صرف جمہوری اسلامی ایران میں کرائے جاسکتے ہیں۔

اعتراض: صرف ایرانی مجتہد ہی کیوں ولی فقیہ بنتے ہیں؟

جواب: اگرچہ امام خمینی اور رہبر معظم سید علی خامنہ ای ایرانی ہیں لیکن جیسا کہ ولی فقیہ کی شرائط میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ولی فقیہ کیلئے اجتہاد، عدالت، بصیرت اور قائدانہ صلاحیتیں وغیرہ شرط ہیں اور ایرانی ہونا ان شرائط میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح سے ایران اسلامی کے آئین میں بھی ولی فقیہ کیلئے یہی شرائط بیان ہوئی ہیں اور ولی فقیہ کو ایرانی ہونے سے مشروط نہیں کیا گیا۔ لھذا اگر کسی وقت ولی فقیہ کیلئے لازمی شرائط کسی غیر ایرانی مجتہد میں پائی جائیں اور ایرانی مجتہدین ان سے بے بہرہ ہوں تو مجلس خبرگان کی شرعی اور آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے ولی فقیہ ہونے کا اعلان کریں۔